ڈاکٹر فرحت جبیں ورک
صدر شعبہ اُردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی
ڈاکٹر محمد بلال /ڈاکٹر شافیعہ اعظم
صدر شعبہ /استاد شعبہ بشریات، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی ، راولپنڈی

کلام بُلّھے شاہ میں ثقافت و مکانیت کے تناظر میں اُردو ترجمہ کے مسائل

Dr. Farhat Jabeen Virk
Head of Urdu Department, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.
Dr. Muhammad Bilal/ Dr. Shafia Azam
HoD/Assistant Professor, Department of Humanities, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.

The Issues of Urdu Translation in the Context of Culture and Nativity in Bhule Shah's Poetry

The native language is the expression of catharsis and spirit. The original text in native languages contains the culture of the region, the history and the background of the words. While the translation of the literary collections has made literature accessible to wider readers, it has also raised an important question whether the translation can successfully transmit the original spirit of the text – the local cultural expressions? Translating poetic texts is most intricate because the problem might not lie in translating words only, but the real challenge is to conform the stylistic beauty, as well as its figurative cultural specific expressions to the target language. Punjabi literature and poetry is a century's old and important heritage of Pakistani culture rooted back in the Subcontinent.

Key words: *Native Language, Expression, Original, Translation, Literary, Locality, Culture.*

ادبی متون کی ایک زبان سے دوسری زبان میں بوساطت تراجم منتقلی نے طویل مباحث کو جنم دیا ہے۔ جس میں سے ایک اہم مسلہ ترجمہ کرتے ہوئے ثقافتی عناصر کی اصیل روح کی ترجمانی ہے۔بظاہر ہر ترجمہ ایک آسان عمل محسوس ہوتا ہے مگر ماخذ متن میں موجود تصورات، سوچنے سمجھنے کے مسلمہ ضابطے ترجمہ متن میں بہت سے حقائق تک

رسائی میں ناکام رہتے ہیں۔ مطلوبہ زبان حقیقت کی موضوعی تعبیر تک ہی محدود رہتی ہے اور مطلب اخذ کرنے کا بوجھ ثقافتی واصل سماجی حوالوں سے عاری محسوس ہوتا ہے۔

ترجمے کا مقصد صرف متن کا لفظی ترجمہ کرنا نہیں بلکہ لفظوں کے ساتھ جڑے سیاق وسباق، جذبات اور خیالات کو بھی مطلوبہ زبان (Target Language) میں منتقل کرنے کا عمل ہے جو کہ لکھت کے اصل رویے سے واقفیت اور لکھاری کی اصل معنوں کے ساتھ دائمی وابستگی کے احساس کو اُجاگر کرنے کا وسیلہ ہے۔

ادبی متن کا ترجمہ کرتے ہوئے سب سے زیادہ مشکل مسئلہ ماخذ زبان (source language) اور مطلوبہ زبان (Target Language) کی ثقافتوں کا تضاد اور فرق ہے کیونکہ ایک خاص ثقافت کے لوگ متعلقاتِ حیات کو ایک خاص انداز یا زاویہء فکر سے دیکھتے ہیں۔ ماہر لسانیات لارسن، 1984 (Larson) کے مطابق مختلف ثقافتوں کی کثیر الجہات ترجیحات ہوتی ہیں۔ کچھ معاشرے زیادہ تکنیکی سوچ اور رویے رکھتے اور کچھ کم، جسکی بنیاد پر انکا ذخیرہ الفاظ (vocabulary) بھی نہ صرف مختلف ہوتی ہے بلکہ اِس کے مطالب بھی لمحہ بہ لمحہ بدلتے رہتے ہیں۔[1]

دُنیا ایک کثیر الثقافتی نظام ہے، جس میں مختلف رویوں، احساسات و جذبات کی بنا پر مساوی رنگوں پر مبنی لغت کی سعی کرنا مشکل ہے۔

ماہرینِ لسانیات وبشریات کے مطابق دو زبانیں ایک ہی معاشرتی حقیقت (social reality) کی مماثل نمائندگی یا ترجمانی سے قاصر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہر نظامِ زبان و معاشرت اپنے رویوں اور احساسات وجذبات کی دنیا رکھتا ہے۔ مزید براں اُس دُنیا کو برتنے، محسوس کرنے کا معاون ایک مخصوص ثقافتی نظام اور ذیلی ثقافتی بیانیے ہوتے ہیں۔ یہی ثقافتی و سماجی ادب پیرائے دنیا کو عمومی و خصوصی انداز سے دیکھنے، محسوس کرنے کا ایک الگ نظریہ (worldview) پیش کرتے ہیں۔ امریکی ماہر لسانیات وبشریات (2000) سپیر (Sapir) نے اس کو "لسانی نسبت پسندی / وابستگی (linguistic relativism)"(۲) کا نام دیا ہے۔

> زبان و اظہار ثقافتی تجسیم کے اہم عناصر ہیں۔ اِس ضمن میں ماہر لسانیات (Bassnett,2002) ترجمہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے زبان کو "ثقافت کے جسم کے اندر دل" سے تشبیہ دے کر کہتی ہیں کہ:
>
> "The surgeon, operating on the heart, cannot neglect the body that surrounds it, so the translator who treats the text in isolation from the culture is at his peril.[3]

ترجمہ ایک ایسی ذمہ داری و سرگرمی ہے جس میں لامحالہ طور پر کم از کم دو زبانیں، ان کا لب ولہجہ اور دو

ثقافتی روایات شامل ہوتی ہیں۔ ثقافتی زمینی حقائق، ماخذ تحریروں (Source text) کو سمجھنے اور ان کو ہدف ثقافتوں (Target Culture) میں ترجمہ کرنے کے ضمن میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مزید براں ساختیاتی نقطہ ء نظر رکھنے والے، مترجمین کے ذاتی نظریات کے اثرات اور غالب ثقافتی اقدار کے مطابق معنی کے تبدیل ہونے کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس سے مراد ہے مترجم کے تمام افعال ارادی، اخلاق، معاملات زندگی، معاشرت، تمدن، طریقہ تمدن اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اپنے زاویہ نگاہ سے پرکھنا، ترجمہ کے عمل پر حاوی ہو سکتے ہیں۔

تہذیب جامد شے نہیں ہے اس میں عصری تقاضوں اور سماجی صورت حال کے پیش نظر رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم متون کا ترجمہ، مترجم کو کثرتِ تعبیر پر بھی آمادہ کرتا ہے۔ یہ صورتحال مذہبی و صوفیانہ تصورات کو ترجمہ کرتے وقت مشقت طلب امر معلوم ہوتا ہے۔

ایک برطانوی ماہر بشریات نیدہم (Needham,1972) نے مختلف غیر ملکی ثقافتوں میں مذہبی تصورات کا من و عن ترجمہ کرنے کو دشوار عمل قرار دیا ہے. اس ضمن میں وہ افریقہ کے قبیلے نویر (Nuer) میں لفظ " Believe " کے ترجمے کا حوالہ دیتے ہوئے مترجم کے لئے ثقافتی و مذہبی بیانیوں کے تراجم کے سلسلہ میں مسائل کو بیان کرتے ہوئے اپنی تحقیق میں یہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ مذہبی تصورات یورپی زبانوں میں اور یورپی زبانوں سے دوسری زبانوں میں منتقل ہونے میں معذور ہوتے ہیں۔ اِس ضمن میں وہ توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> " Nuer قبیلہ کی لغت میں انگلش لفظ "Believe" عقیدہ کیلئے کوئی زبانی لفظ (verbal word) موجود نہیں کیونکہ ترجمہ کی قابلیت / اہلیت کا اندازہ صرف ہدفِ ثقافت میں اس کے اثرات کے مطابق لگایا جاسکتا ہے. "[۴]

اسی طریقے سے بوروڈسکی (Boroditsky, 2010) کے مطابق:

> آسٹریلیا کے دور دراز کے آبائی علاقہ دار (remote Aboriginal) کی زبان میں دائیں اور بائیں جیسی اصلاحات نہیں ہیں. اسکی بجائے مطلق مرکزی سمتوں (Absolute cardinal Directions) جیسے کہ مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کا حوالہ دیتے ہیں مثلاً " آپکی دائیں ٹانگ پر ایک چیونٹی ہے " کہنے کی بجائے یہ کہا جائے گا کہ آپکے جنوب مغرب کی ٹانگ پر ایک چیونٹی ہے۔ "[۵]

ثقافتی اختلافات کی وجہ سے اگر یہ اصطلاحات اس پیش منظر (situation) میں کسی دوسرے ممالک، جہاں ان تناظر (context) میں یہ اصطلاحات استعمال نہیں ہوتیں، میں ترجمہ کی جائیں تو اس طرح کا اظہار تعجب خیز

ہو گا. اس لئے مترجم کا اُن صحیح تاثرات سے آگاہ ہونا ضروری ہے جو ہدف ثقافت کے ترجمے کی تعمیل کرتے ہیں۔اِسی طور ماخذ زبان اپنی جمالیاتی و تاریخی حساسیت، عوامی حسیات کی شدت سمیت مطلوبہ زبان کا بیانیہ بن سکتی ہے

بشری نقطہ ءنگاہ سے (Anthropological) ترجمہ کا صحیح اصول جاننے کے لئے سٹل ہاربے-Stell-Hornby (1988) کا دو ثقافتوں پر عبور کا نظریہ مترجم کے لئے کار آمد و فی زمانہ اہم فکر ہے۔"1980 کی دہائی کے بعد سے ترجمہ کا عمل صرف زبانوں کے درمیان نہیں بلکہ ثقافتوں کے درمیان ہوتا ہے لہذا مترجم کا صرف دو زبانوں (Bilingual) پر عبور ہونا کافی نہیں بلکہ دو ثقافتوں (Bicultural) کا علم ہونا ضروری ہے۔"(۶)

اس کے مطابق مترجم کیلئے دو ثقافتوں کے مابین اختلافات، زبان کے ڈھانچے میں اختلافات کی نسبت زیادہ سخت پیچیدگیاں پیدا کرسکتے ہیں. متن کے لفظی ترجمے سے ثقافتی ترجمے تک کی اس تحریک کو "ثقافتی موڑ" (cultural term) کا نام دیا گیا۔ مطالعہ تراجم کے اس ثقافتی موڑ کا نقطہ ءآغاز وضاحتی بیانیہ (Descriptive approach) کے ذریعہ ترجمہ کی مخصوص اقدار پڑھنے کے ساتھ ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترجمے کے عمل میں ثقافتی حسیت کی عدم موجودگی ناقابل تردید عنصر ثابت ہوتی ہے۔

ادبی تراجم میں شاعری کی خصوصیت کی وجہ سے شاعری کے ترجمہ کو دیگر تراجم کے مقابلہ میں انتہائی پیچیدہ اور پُر مشقت سمجھا جاتا ہے۔

شاعری کی زبان خصوصی طور پر مادری زبانوں کا شعری اظہاریہ ایک مکمل ثقافتی بیانیہ ہوتی ہیں، جس میں تعلق کا، ذائقہ، لمس اور خطے کی بو باس اور مخصوص انسانی جذبات کو جمایا جا سکتا ہے۔مادری زبان یا علاقائی بولی اپنی شعری تجسیم بشمول متن کی ہیئت کے پسِ پردہ، الفاظ کا انتخاب، جذبات، فکر اور اسکے رد عمل کی بازگشت کو اپنے قارئین کے تخلیات انداز میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔اصل متن کی سمجھ بوجھ سے واقفیت نہ ہونے کی بنا پر قاری کا تخیل ادھوری ثقافتی تجسیم سے آگاہ ہو پاتا ہے۔

شاعری / نظم کا ترجمہ کرتے ہوئے جذبات، شاعر کا پوشیدہ پیغام، اسلوب کی انفرادیت کو محفوظ رکھنا اہم ہے۔ تاکہ ہدفی زبان میں اُسی تاثیر کا حصول ممکن بنایا جائے، جیسا کہ ماخذ میں ہے۔ ترجمے کے اس عمل کو تخلیقی توانائی کی ترسیل کا نام دیا جاتا ہے۔

Burnshaw 1995 اس بات پر زور دیتا ہے کہ:

"یہ بات کوئی بھی نہیں مان سکتا کہ کسی ایک مخصوص زبان میں الفاظ کی مخصوص ترتیب کا شاعرانہ اثر، کسی دوسری زبان میں الفاظ کے شاعرانہ اثر کی طرح ہو سکتا ہے۔"(۷)

شعری متون کا ترجمہ (Transability) کے ضمن میں مترجمین کا خیال ہے کہ ترجمے کے عمل میں شاعری کے تخیل کی بلند آہنگی، خالصیت اور تاثریت لازمی طور پر ختم ہو جاتی ہے جبکہ دوسروں کا کہنا ہے کہ ہر چیز خصوصاً شاعری کا ترجمہ (translatable) ممکن ہے لیکن ترجمہ شدہ نظم کا حتمی امتحان (final test) ہونا لازمی ہے۔ جہاں تک مادری زبان / بولی اور مرکزی زبان کے افعال و مصادر کا معاملہ ہے تو اُس میں خاصی یکسانیت دیکھی جا سکتی ہے اور اِسی بنا پر باہمی ترجمہ کے عمل میں بھی مشکلات پیش نہیں آتیں۔ مسلہ اصل متن کی روح کا ہے، جسے مادری زبان سے مرکزی میں بھی برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ بالخصوص شاعری اور خصوصی طور پر صوفی شاعری کا ترجمہ دیگر ترجمہ متون سے قدرے مشکل کام ہے۔ ایسی شاعری کہ جس میں تصوف ، مختلف النوع فلاسفہ ہائے حیات، روحانیت، عجز و انکساری نمایاں ہے۔ جس میں نوعِ بشر کی شناخت کے معتبر و مقدس حوالے ملنے کے علاوہ، اتحاد و رواداری، انسان دوستی، متوازن فلسفہء حیات ، مخصوص ثقافتی حوالوں کے ساتھ میسر آئے، وہاں انسانی جذبات و کیفیات ناقابلِ ترجمہ رہتی ہیں۔ اِس ضمن میں پنجابی صوفیانہ کلام خصوصی طور پر قابلِ غور ہے کہ جس میں اشعار کے بین السطور معرفت، حق و صداقت اور عشقِ حقیقی کا پرچار مخصوص پیرائیوں میں ملتا ہے۔

پنجاب کی سرزمین عظیم صوفیا کرام کی زمین ہے۔ جن میں حضرت سید بُلھے شاہؒ کا نام اپنے کلام کی مخصوص ثقافتی رمزوں سے لبریز ہے۔ آپ ایسے صوفی شاعر ہیں کہ جن کا پنجابی کلام صدیوں سے قوالوں اور صوفی کلام گانے والوں کی شاعری میں رچا بسا ہوا ہے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ اُردو کلام کی گائیکی میں بھی "سید بُلھے شاہؒ" کی پنجابی کافیوں (اصل متن) ہی کی آمیزش کی جاتی ہے کیونکہ پنجابی زبان کے الفاظ و تراکیب میں تصوف و عرفان کا پیغام، اُردو یا کسی دوسری زبان میں اپنی ثقافتی وسعت، رعنائی، لفظی تابناکی اور واقعاتی حقیقتوں کو کھو دے گا۔

ایک عارف، صوفی شاعر حقیقتاً کائناتی مشاہدات کو اپنے ذاتی تجربات اور کشفی وارداتوں کی صورت پیش کرتا ہے۔ سید بُلھے شاہؒ نے بھی اپنے کشف، تجربات و مشاہدات کو مختلف علائم و رموز کی صورت پیش کیا اور انسانی سماج (فرد و معاشرہ ہر دو) کی مثبت و منفی قدروں سے سماج و بشر کے لئے حیات و فن کے اعلیٰ اوصاف کشید کئے۔ ایسی پنجابی صوفیانہ شاعری میں دراصل انفرادی جذبہ اور قوت مجموعی سماجی مثبت تاثر کے لئے محرک کی جستجو کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

سید بُلھے شاہؒ کے پنجابی صوفیانہ کلام میں حقیقت و جستجو کی تلاش، شعری قالب میں ڈھل کر قاری کے لئے معلومات، تہذیب و جمالیات سے حظ و حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ترجمہ متن میں صوفیانہ کلام فقط معلومات کا ذریعہ بنتا ہے۔ جیسا کہ زیر بحث آیا کہ ترجمہ کی تمام اقسام میں سب سے زیادہ مشکل صوفیانہ شاعری کا ترجمہ ہے ممتاز سکالر (Iyengar) شاعری کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کرتے ہوئے ہمیں محتاط کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"Poetry by its very nature is untranslatable. Ideas can be translated from language to language, but poetry is the idea touched with the magic of phrase and incantatory music. Competent translator can, however, play the good broker between the poet and the reader, and surpassing the mere prose of statement can give intimations of the poet's sovereign utterance. Good translation can create trust and stimulate interest."(8)

شاعری کے ترجمے کی ناممکنات کو پورا کرنے کا سوال علمِ الہیات (Epistemological) ہے اور اسکا جواب ترجمے کے اصل معنی کی ترسیل carrying across سے جڑے رہنے میں ہے۔ شعری عبارت کے معنی کی منتقلی carrying across کرنا ایک دوہرا عمل ہے. اول اول اس بات کی یقین دہانی کرنا مقصود ہوتا ہے کہ معنی کو اصل زبان کے ثقافتی تناظر میں سمجھا گیاہے اور پھر اسکی target language کے ثقافتی تناظر میں بھی تشریح کی گئی ہے۔ لہٰذا شعری متون خصوصاً، صوفی شاعری کے تراجم کا عمل تشریح interpretation کے عمل میں بدل جاتا ہے۔ اس قسم کے تراجم / تشریح میں مترجم کی من مانی یاناواقفیت اس متن کی عین نقل تیار کرنے کی بجائے، دوسرا ایک نیا متن پیدا / تیار کرنے کا سبب بنتی ہے۔ مادری زبان میں مہارت کے برعکس، غیر ملکی زبان کے ثقافتی عناصر کی کم علمی، اس کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

سید بُلھے شاہؒ کے کلام کا ایک الگ منفرد مزاج ہے جس میں فرد کے ساتھ ساتھ ایک مکمل سماجی مکانیت مشترکہ سماجی مزاج و میلانات کی عکاس بنتی ہے۔ ایک مخصوص رہتل و مکان کے رہن سہن، احساسات و جذبات، تاریخی و ثقافتی روایات، اصطلاحیں، محاورے، کلام بلھے شاہ میں اپنے مخصوص پنجابی لب و لہجے کا آہنگ لیے فرد، کردار اور ماحول کی تلثیث یوں قائم کرتے ہیں کہ اسے بدیسی زبان میں لفظی ترجمہ کرنا تو آسان ہو گا مگر ترجمۂ کامل کی شرط مشکل ہے۔ (بُلھے شاہؒ کا کلام سماجی زندگی کے سارے میلانات کا شفاف آئینہ معلوم ہوتا ہے۔ اصل (ماخذ زبان) نقل (ذریعہ زبان) میں اصل کے امکانات طبع، اثرات و تاثیریت کا در آنا ممکن نہیں کیونکہ اثرات اپنی تہذیب اور تاثیریت اپنی اصل علاقیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جبکہ یہی ترجمہ پنجابی کی قریب السمجھ زبان (مثلاً پنجابی سے اُردو) میں اُسی تہذیبی سیاق میں سمجھنا قدرے آسان ہو گا۔

بُلھے شاہؒ کے کلام کی قدر وانفرادیت یہ ہے کہ یہ ترجمہ ہو کر ایک تہذیب کی معلومات تو بن سکتا ہے مگر اِس تہذیب کا ترجمہ اپنے قاری پر فن پارے کی جمالیاتی جہتیں نیز علمی آگہی کے کسی قدر درواکر تا ہے کچھ کہنا قرین از قیاس ہو گیا۔ ترجمہ کلام کو پڑھنے والا قاری اپنی بصیرت و بصارت کے پیشِ نظر متن کی معروضی و موضوعی تعبیریں کرتا ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، اصل متن پڑھنے والے قاری کے لئے معنی کی کثرت کے مسئلے کو یوں پیش کرتے ہیں کہ: "ہر قاری یا ناظر حقیقت کی موضوعی تعبیر کرتا ہے جو اس کی اپنی ہوتی ہے۔ کثرتِ معنی کا تصور، منشائے مصنف سے گریز پر مائل کرتا ہے۔ کثرتِ تعبیر سماجی تبدیلی کی راہ میں روڑے اٹکاتی ہے۔"(۱۰)

اصل متن (ماخذ زبان) میں جبکہ معنی کی کثرت کا مسئلہ درپیش ہو تو ذریعہ زبان (ترجمہ کی زبان) میں کلام کا اپنے مخصوص آہنگ اور مخصوص لفظیاتی نظام (جو کہ تہذیبی و ثقافتی معنیات و مفاہیم کا سیاق رکھتا ہو) کی حقیقی تعبیر برقرار رکھنا ناممکن ہے۔

کلام بُلھے شاہؒ میں مختلف سماجی حقیقتیں کہانیوں کی صورت ایک واقعاتی سرکل تعمیر کرتی ہیں جن میں بیان کنندہ اور سماج مرکزی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ اِس سے اثر قبول کرنے والا قاری اِس سے اخذ واستفادہ کرتے ہوئے اپنے کلچر پر اثرانداز ہونے والا کبیری کردار بنتا ہے۔ یہاں مترجم کے کمال و فن پر منحصر ہے کہ وہ متن کے اصل معانی، تخیل اور احساس کی تعبیر ترجمہ کرتے وقت کس قدر جذب کرتا ہے۔

ایسی تخلیق قاری کو ایک جاندار ثقافتی پسِ منظر سے شناسا کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا: "شعریات کا تعلق کوڈز (Codes) اور کنونشنز (Conventions) کے اُس سارے نظام سے ہے جو انسانی ثقافت کا زائیدہ ہے"۔(۱۱)

اس طرز کے کلام کی اصل اِس کے تناظر میں وہ واقعیت نگاری ہے کہ جو دوسری زبان میں اپنی ثقافتی اہمیت، قلبی ماہیت اور اصل معنوی نشریت سے قاصر رہتی ہے۔ تاوقتیکہ ذریعہ زبان میں ماخذ زبان کی ثقافیت سے ہمدردی و معلومات یا تجسس کا عنصر پہلے سے موجود نہ ہو۔ شعری متن کا لفظی ترجمہ، تاثریت سے عاری ہونے کی بنا پر ماخذ متن کی چاشنی و اہمیت کا احساس کھو دیتا ہے۔ لفظوں کی ایسی تہی دامنی کی بابت ڈاکٹر وزیر آغا یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> "لفظ جب معنی سے تہی ہو جائے تو وہ شور میں تبدیل ہو جاتا ہے یا ایک بوجھ کی طرح زمین پر آ گرتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے اُس کے پنکھ جھڑ گئے ہیں اور وہ اُڑ نہیں پا رہا، جیسے دُھواں اُوپر اُٹھنے کی بجائے اُتر کر سانسوں میں بھر گیا ہے۔۔۔ خواہش کی کششِ ثقل اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ پاؤں منوں وزنی چٹان بن گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں محسوس

ہوتا ہے جیسے خواہش نے ایک ایسے جذباتی تشنج کو جنم دے ڈالا ہے جس سے جسم مفلوج ہونے کو ہیں"۔ (۱۲)

کلام بُلھے شاہ کے پنجابی متن کا اُردو زبان یا دیگر زبانوں میں ترجمہ، اپنے بین السطور معانوں کی اُردو زبان میں ترسیل کو تو کسی حد تک ممکن ملتا ہے مگر ماخذ زبان میں "لفظوں کے ثقافتی حقائق" (Lexican cultural facts) ترجمہ میں منتقلی کے وقت ذریعہ زبان اخذ کرنے میں کُلی طور پر کامیاب نہیں ہو پاتی۔

ثقافتی بیانیہ اپنے ساتھ مخصوص تاریخیت Specific Historicity رکھتا ہے۔ جس میں ترجمہ ہونے کے بعد ابلاغ کی ترسیل کا مسئلہ ہوتا ہے۔ تاریخی حقیقتیں نثر میں سپاٹ ہو سکتی ہیں مگر شعری اظہاریہ تاثیریت (Expressionism) اور ثقافتی معنویت سے لبریز ہوتا ہے۔ بقول خالد محمود خان:

"تہذیبی ثقافتوں میں انسانی زندگی کے کچھ ایسے پہلو ہوتے ہیں جو ان ہی ثقافتوں میں یکتا اور منفرد ہوتے ہیں۔ ایسے پہلو دوسری ثقافتوں میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر بہر صورت مختلف ہوتے ہیں۔ (۱۳)

بُلھے شاہ کے کلام میں بیانیہ اپنی مخصوص واقعاتی تاریخ، سماجی و نجی حساسیت، وجدانی کیفیات کا ترجمہ اپنی ثقافت و مکانیت کی بنا پر قاری کی چھٹی حِس کی بیداری کا بھی باعث بنتا ہے۔ زیرِ غور کلام میں ایک ایسی ہی مثال دیکھی جاسکتی ہے کہ جو اگر ترجمہ کیا جائے تو ذریعہ زبان میں انسانی وجدان جِلا سے محروم رہ جاتا ہے۔

"بُلھے نُوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھر جائیاں!

من لے بُلھیا ساڈا کہنا، چھڈ دے پلا رائیاں

آلِ نبی ﷺ اولادِ نبی ﷺ نُوں توں کیوں لیکاں لائیاں؟"

"جیہڑا سانوں سید سدے دوزخ ملن سزائیاں

جو کوئی سانوں رائیں آکھے بھشتی پینگاں پائیاں"

رائیں، سائیں سبھنی تھائیں، رب دیاں بے پروائیاں

سوہنیاں پرے ہٹائیاں تے کوجھیاں نے گل لائیاں

جے توں لوڑیں باغ بہاراں، چاکر ہو جا رائیاں

بُلھے شاہ دی ذات کیہ پچھنیں؟ شاکر ہو رضائیاں" (۱۴)

اس منظوم واقعے کی ایک ثقافتی اہمیت ہے مگر جب اسے ترجمہ کرتے ہوئے عالمگیر تناظر میں دیکھا جائے گا تو دُنیا میں کچھ خطے ایسے ہیں کہ وہ آج بھی اپنی نسلی وراثت کو سینہ بہ سینہ لے کر چلے آرہے ہیں مگر امریکہ، کینیڈا، یورپ اور آسٹریلیا کے زیادہ تر علاقوں میں ایسی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں رہی بلکہ اقدار کو مادی نقطۂ نظر سے پرکھا جاتا ہے۔

محولہ بالا واقعے کی ثقافتی و مقامی زرخیزی واقعے کے تناظر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ایسی شاعری کی اساسی طرزِ اظہار عشقیہ بیانیے (Erotic Expressions) یعنی حقیقی عشقیہ اسلوب بیان ہے۔ اپنی مخصوص رہتل سے جُڑی سماجی واقعے کی روحانی حساسیت (Spiritual Sensitivity) کے ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر سید نذیر احمد یوں وضاحت کرتے ہیں کہ

> "یہ کافی اس لحاظ سے استثنائی حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ شعر ہونے کے علاوہ بُلھے شاہ کی زندگی کے ایک اہم واقعے کا بیان بھی ہے۔ اگر یہ کافی معرضِ وجود میں نہ آتی تو ہو سکتا ہے کہ وہ واقعہ بُھلا ہی دیا جاتا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب بُلھے شاہ سید نے شاہ عنایت آرائیں کی مُریدی اختیار کی تو اُس کی اُونچی ذات پر مغرور رشتے داروں نے اسے نہ صرف اپنی بلکہ علی رضی اللہ عنہ اور نبی ﷺ کی توہین خیال کیا (لیکاں لائیاں)۔ اُن کے احتجاج اور شکایتوں کا بُلھے شاہ کے پاس یہی جواب تھا کہ اگر ارائیں کی مُریدی سے میری سادات کی سُبکی ہوئی ہے تو چلو میں سید ہی نہیں (جو کوئی سانوں سید سدے دوزخ ملن سزائیاں)۔ تاہم وہ اپنے ناصحوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اِس واقعے کو رضائے خداوندی سمجھ کر صبر شُکر کر لیں (شاکر ہو رضائیاں)۔ بُلھا کہنا چاہتا ہے کہ خُدا اپنی بے پرواہی میں جسے بھی چاہے عزت بخشے، کبھی وہ نیچ ذات والوں (کوجھیاں) کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے اور کبھی وہ اونچی ذات والوں (سوہنیاں) کو اپنے سے دُور رکھتا ہے۔" (۱۵)

یہاں ماخذ زبان کے متن میں معنوی امکانات کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ اگر پنجابی کلام کو ذریعہ زبان میں ڈھالا جائے تو کلام کی اصل معنویت، عشقیہ نوعیت کے جمالیات پہلو، واقعاتی صداقت متاثر ہو گی۔ اِس کے لیے مقامیت کے علاوہ عقیدے کا ادراک اور مشاہدہ ضروری ہے۔

یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ علاقائی زبانیں، بولیاں موجودہ دور کی عالمگیریت کے نام پر للکاروں کے پیشِ نظر قریب ترین بیانیہ میں منتقل ہونی چاہئیں تاکہ اُردو زبان میں اس طور قومی یکجہتی کو وسعت اور انسان دوستی، مقامی ثقافتوں، فکر و شعور، ذہنی اختراعات و ایجادات کے نئے لفظوں اور نئے معانوں کو استحکام نصیب ہو۔

دوسری طرف یہ حقائق بھی مصدقہ ہیں کہ ایک بولی وزبان کے مطالب قریب ترین یا دیگر ترجمہ زبانوں میں منتقلی کا عمل ایک قلعے کی چار دیواری کی بیرونی تصویر کشی کے مترادف ہو گا۔اِس تصویر کے تحرک کا انحصار ترجمہ زبان کے متن کی اثر پذیری پر محمول کیا جاسکتا ہے۔زندگی کا اصل رنگ موسم کا حال جاننے سے زیادہ حسِ باصرہ و لامسہ سے براہِ راست اخذ واستفادے میں مضمر ہے۔"بُلھے نوں سمجھاون آئیاں" کے پنجابی متن کے حوالے سے اُردو نثری ترجمہ ملاحظہ کرنے سے بھی اصل متن کے فن، زبان، ثقافتی اسلوب کی تاثریت اور ترجمہ میں ثقافتی اسلوب کے بے روح ہونے کا احساس غالب ملتا ہے۔بقول سریندر سنگھ کوہلی

"۔۔۔بُلھے شاہ ایک سید خاندان میں پیدا ہوئے تھے لیکن ان کو مرشد سید نہ مل سکا۔شاہ عنایت ایک باغبان (ارائیں) تھے۔چنانچہ جب بُلھے شاہؒ، شاہ عنایتؒ کے مرید ہوئے تو ان کے رشتہ دار اس نسبت پر معترض وناخوش ہوئے۔بُلھے شاہؒ نے خود اپنی کافیوں میں اس واقعہ پر روشنی ڈالی تھی

بہن اور بہنوئی آئے بُلھا کی
سرزنش کے لیے
سید ہو کر تمھیں کیا ہوا ہے
تم اپنے خاندان کی رسوائی کا باعث ہوئے ہو
ہمارا مشورہ مانو! او بُلھا!
اور ایک ارائیں کا دامن چھوڑ دو
بُلھے شاہ نے اس کا جواب مندرجہ ذیل انداز میں دیا
جو کوئی مجھے سید کہہ کر پکارتا ہے
اُسے جہنم میں سزا ملے گی
جو کوئی مجھے ارائیں کہہ کر آواز دیتا ہے
وہ جنت میں جُھولا جھولے گا
او بُلھا! تم کو اگر حقیقی راحت کی طلب ہے تو
ایک ارائیں کے مرید ہو جاؤ"۔(۱۶)

کامل قریشی نے نثری اُردو متن میں پنجابی شعری متن "بُلھے نوں سمجھاون آئیاں، بھیناں تے بھر جائیاں" بہن اور بہنوئی آئے بُلھے کی سر زنش کے لیے" لکھا ہے۔ جبکہ لفظ کی ساخت و استعمال کے پسِ پردہ مخصوص ثقافتی کوڈز، رہتل اور واقعاتی حساسیت کار فرما ہے، جو کہ ترجمہ میں مسخ ہوئی ہے۔ یہی مباحث ہمیں ادبیات، بشریات، نفسیات، لسانیات، ثقافتی مطالعات اور دیگر فلسفوں میں بھی ملتے ہیں۔

مخصوص ثقافتی روح کی عدم منتقلی کی بنا پر ترجمہ کلام سپاٹ، بے کیف، بے رنگ اور سطحی معلوم ہو گا۔ بقول ڈاکٹر قمر رئیس: "زبان تشبیہ، استعارے، علامت اور رمز و ایما کی وجہ سے گنجینۂ معنی کا طلسم ہوتی ہے۔ یہاں "کیا کہا گیا ہے"، سے زیادہ "کیسے کہا گیا ہے" پر توجہ ہوتی ہے"۔(۱۷) لہٰذا اصل متن میں الفاظ کے معانی خاص تناظر پیش کرتے ہیں جبکہ ترجمہ الفاظ کے نئے معانی بھی رائج کرتا ہے یوں اِس طرز کا کلام ذریعہ زبان میں اپنے ثقافتی خط و خال اور الفاظ کا حقیقی حُسن و جمال کھُو دیتا ہے۔ مزید بر آں تخلیقی ترجمے (شاعری) کی پڑھت یا سماعت سے تاثر کی پہلی تہہ خود مترجم کے اپنے ذہن پر نئے انداز میں مرتسم ہونے کا مطلب یہی ہو گا کہ قاری کے ذہن و تخیل پر ترجمہ متن ایک نئی اور پہلی تہہ (تاثر) سے قطعی مختلف مطالب ظاہر کرے گا۔

متون کے ترجمہ کا عمل قدرے محتاط و عرق ریزی کا متقاضی ہے کیونکہ اِس کے ذریعہ کسی بھی قوم کے عمومی و خصوصی ثقافتی رویے دوسری قوم تک پہنچتے، منتقل ہوتے ہیں۔ یوں ایک تہذیب کا چہرہ مزید نکھر تا یا قدرے مسخ ہو سکتا ہے۔ تصوف کی ذیل میں آنے والے ایسے تراجم ممکنہ مماثل ادبی رجحانات کی ترویج کا باعث بھی بن سکتے ہیں کیونکہ پنجابی یا دیگر مادری زبانوں سے مخصوص تہذیب و ثقافت کی نسل در نسل آبیاری کا عمل ممکن ہوا ہے۔

صوفی شاعری ایک ڈسکورس ثابت ہوا ہے کہ جس میں فرد و اجتماع کی سر گرمیاں واقعہ یا چند واقعات تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ ایک مخصوص وقت کے دیگر سماجی رویوں، ادبی متون، معاشی نظام، انسانی جذبات ایک سرمائے کی صورت دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ سرمایہ ثقافتی و سماجی مکانیت کے ساتھ ہی انسانی ادراک و تعقل اور ماخذ متن کی تعبیر، اصل مطالب و مفہوم پیش کر سکتا ہے۔ وسیلہ زبان کے ثقافتی متن کے ترجمہ زبان میں منتقلی کے بعد مسئلہ ثقافتی ڈسکورس کی ترجمانی کا ہے۔ بقول انیس ناگی:

> "زبان اور الفاظ کی معنویت کا دار و مدار اِس کے سیاق و سباق پر ہوتا ہے، سیاق و سباق کا تنوع زبان کی وسعت اور ہمہ گیری پر دلالت کرتا ہے۔ زبان کے دو سیاق و سباق ہوتے ہیں، ان میں سے ایک نفسیاتی اور دوسرا منطقی ہوتا ہے۔ نفسیاتی سیاق و سباق کا تعلق پرسیپشن سے ہے۔ منطقی سیاق و سباق کا تعلق منطق اور گرائمر سے ہے"۔(۱۸)

تہذیب جامد شے نہیں ہے اس میں عصری تقاضوں اور سماجی صورت حال کے پیش نظر رد و بدل ہوتا رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قدیم متون کا ترجمہ ،مترجم کو کثرتِ تعبیر پر بھی آمادہ کرتا ہے۔یہ صورتحال مذہبی و صوفیانہ تصورات کو ترجمہ کرتے وقت مشقت طلب امر معلوم ہوتا ہے۔

ثقافتی اختلافات کی وجہ سے اگر یہ اصطلاحات اس پیشِ منظر (situation) میں کسی دوسرے ممالک ،جہاں ان تناظر (context) میں یہ اصطلاحات استعمال نہیں ہوتیں، میں ترجمہ کی جایئں تو اس طرح کا اظہار تعجب خیز ہو گا. اس لئے مترجم کا اُن صحیح تاثرات سے آگاہ ہونا ضروری ہے جو ہدف ثقافت کے ترجمے کی تعمیل کرتے ہیں.اِسی طور ماخذ زبان اپنی جمالیاتی و تاریخی حساسیت، عوامی حسیات کی شدت سمیت مطلوبہ زبان کا بیانیہ بن سکتی ہے۔

علومِ بشریات و ادبیات کے مطابق تو ماخذ متن انسانی جذبات کی عکاسی و احساسات کی ترجمانی جس معنویت کے ساتھ کر سکتا ہے ترجمہ متن سماجی حسیات کی ویسی تقلیب کرنے سے قاصر ہے۔ترجمہ متن میں وسیلہ متن (بالخصوص صوفی شاعری) کی سی ادبی حساسیت بشمول رومانی و جمالیاتی قدروں کے در آنا ممکن نہیں۔

سید بُلھے شاہؒ کی معروف پنجابی کافیوں کے اُردو نثری ترجمہ سے چند مثالوں کے ذریعہ ترجمہ متن کی معنویت و امکانات کی حدود دیکھی جا سکتی ہیں۔

شاہ عنایت قادری شطاری، بُلھے شاہؒ کے مرشد تھے۔مرید کی مرشد کے لئے بے چینی اور وارفتگی کے ضمن میں صداقتوں کو سریندر سنگھ کوہلی یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> "شاہ عنایت جو اپنے مرید کو ایک روحانی نظم و ضبط میں بندھا دیکھنا چاہتے تھے۔اُس کے باغیانہ اظہارِ خیالات کی وجہ سے ناراض ہو گئے۔بُلھا نے اپنے مرشد کی ہدایت پر کوئی دھیان نہ دیا۔ چنانچہ مرید کا مرشد کی قیام گاہ پر آنا ممنوع قرار دیدیا گیا۔ بہت ہی قلیل عرصہ میں بُلھے کی حالت مرشد کے بغیر ایک ماہیءِ بے آب کی سی ہو گئی۔بُلھے شاہ نے اپنے مرشد شاہ عنایت کی مہر و محبت دوبارہ پانے کے لئے ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ اُنھوں نے شاہ عنایت کو خوش کرنے کے پیشِ نظر محفل سماع آراستہ کرنے کے لئے موسیقی ور قص سیکھا، سماع ہندوستان میں قوالی کے نام سے مشہور ہے۔ اسلام میں موسیقی کی ممانعت ہے لیکن چشتیہ سلسلہ کے صوفیاء کے یہاں اجازت ہے وہ موسیقی کی تقریبات منعقد کرتے ہیں۔۔۔اپنے منصوبے کے مطابق بُلھانے گانا اور رقص کرنا شروع کر دیا جس راہ سے ہر روز شاہ عنایت نماز کے لئے مسجد کو جایا کرتے تھے۔وہ نہایت سُریلی آواز میں گاتا

میں تیرے قربان تیرے صدقے مرے اندر آجا

تو مجھے قبول کر یار د کر دے! مرے اندر آجا، مجھ میں سما جا

میرے لئے تیرے جیسا کوئی اور نہیں

میں نے صحرا و بیاباں چھان مارے، ساری دُنیا دیکھ ڈالی

آجا میرے اندر آجا مُجھ میں سما جا"۔ (۱۹)

دوسری طرف وسیلہ متن (پنجابی کلام) میں عشقیہ احوال (Erotic Expression) کے پسِ پردہ سماجی نفسیاتی میلانات عصری مطابقتوں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں جبکہ ترجمہ متن موافقتوں کی سعی کرتا ہے۔ جس کی بنا پر اکثر و بیشتر صوفیانہ ثقافتی شاعری ترجمہ زبان میں ڈھل کر بے کیف سطحی ہو جاتی ہے جو کہ ثقافتی ذائقے اور نمک سے محروم رہتی ہے۔

محولہ بالا شعری کیفیت وواردات قلبی کو وسیلہ شعری متن میں ملاحظہ کرنے سے مخصوص خطے کی سماجیات کا اجزائی (Micro) مطالعہ ممکن ہو پاتا ہے۔

میں تیرے قربان

ویہڑے آوڑ میرے

تیرے جیہا مینوں ہور نہ کوئی

ڈھونڈاں جنگل، بیلا، روہی

ڈھونڈاں تاں سارا جہاں

میں تیرے قربان ویہڑے آوڑ میرے (۲۰)

اِسی طور پنجابی کلام سید بُلھے شاہؒ کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے

تیرے عشق نچائیاں کر کے تھیا تھیا!

تیرے عشق نے ڈیرا میرے اندر کیتا

بھر کے زہر پیالہ میں تاں آپے پیتا

جھب دے بوھڑیں وے طبیبا نئیں تے میں مر گیا

تیرے عشق نچائیاں کر کے تھیا تھیا! (۲۱)

ماہرینِ لسانیات و بشریات کے مشاہدات دیکھی جائیں ایک ہی خطے میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کی بھی اپنے اپنے ثقافت حقائق ہوتے ہیں، جس کی مدد سے ایک سماج کی چاہ کرنے والے اجتماعی مفادات کی خاطر مشترک سماجوں کا تصور پیش کرتے ہیں۔ جہاں لفظوں کی ثقافت، مادری زبان اور دیگر بولیوں کے تحت ادب کے موضوعات و مندرجات، ثقافتی و سماجی نظریاتی صداقتوں کا سوال اُٹھایا جائے تو مشترک سماج کے داعی بھی چند میل کے فاصلے پر بسنے والوں کی سانجھی لفظی ثقافت کی تغلیط (Negation) کر دیتے ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی موضوع کے تحت لکھی گئی کتاب کے مختلف صفحات پر استعمال ہونے والا "ایک ہی لفظ" (Same Word) ہر بار نئی ثقافتی معنویت کے ساتھ متن کا مجموعی تاثر بناتا ہے مگر مخصوص انسانی سماج کی ترکیب لفظ کے انفرادی و مستعمل مطالب پر بھی منحصر ہے۔

حقیقتاً جن متنی اصالتوں کو مترجم، ترجمہ متن میں ڈھالنے کی سعی کر رہا ہوتا وہ ترجمہ میں ڈھلنے کے بعد موہوم ہو جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اصالتوں سے رجوع میں ہی تحلیل و تجزیہ مضمر ہے۔

"تیرے عشق نچائیاں" اپنے حقیقی متن میں حقیقت جہان کی دریافت کا صوفیانہ شعری کوڈ ہے۔ جبکہ اِس کافی کا باقی متن محسوس فطریات، کشفی میلانات مخصوص مکتبۂ فکر کی بابت ہے۔

کلامِ سید بُلھے شاہ سے ایک مثال ملاحظہ کیجئے

کیہہ بے درداں دے سنگ یاری

روون اکھیاں زار وزاری

سانوں گئے بے دردی چھڈ کے

سینے سانگ ہجر دی گڈ کے

جسموں جندلوں لے گئے کڈھ کے

ایہہ گل کر گئے ہینسیاری (۲۲)

ایسے شعری متون کو تصوف کی روایت کے تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو یہ صوفی شاعر کے نام کے ساتھ عشق حقیقی کا احساس بیدار کرتے ہیں مگر ترجمہ متون سے پیدا ہونے والے معانی سراسر موضوعیت پر دال کرتے ہیں۔ ایسے متون جن کی ایک سے زائد تعبیریں کی جاسکتی ہوں۔ ترجمہ ہونے پر حقیقی تعبیریں۔ پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ یوں خیال کا ترفع، جذبہ میں عرفان کے عناصر اور اصل موضوع و معروضیت دھندلانے لگتے ہیں۔

ماخذ متن کے سیاق و سباق میں انسانی جذبہ، سماجی و ثقافتی بیانیے اپنے اصل لب و لہجہ اور آہنگ کے جامع نظام کو ترجمہ متن میں ڈھالنا ناممکن ہے۔ ماخذ متن کے الفاظ ترجمہ ہو کر لغوی معانوں میں تو ایک ربط پیدا کرتے ہیں

مگر معانی متن میں سماجی حالات ، واقعات کی صحت ، اصل واقعاتی حساسیت ماخذ اور ترجمہ متن میں گہرا انسلاک پیدا کرنے سے معذور ہوتی ہے۔

عتیق اللہ اِس جامع نظام کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ:

" ہر اصطلاح معنی کا ایک مخزن ہوتی ہے۔اس کا پورا ایک معنوی سیاق ہوتا ہے اور سیاق کی مناسبت سے اس کے انسلاکات کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہوتا ہے۔اِس کا سنگ در محض کُھل جا سِم سِم سے باز نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنے ذہن و فہم کا حصہ بنانے کے لئے مختلف علوم اور متعلقہ تاریخ وسماج کے پس منظر کا گہرا مطالعہ بھی از بس کہ ضروری ہے۔باوجود اس کے اکثر اصطلاحات کے تعلق سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس پر ان کے تمام یا اصل معنی آشکار ہو گئے ہیں"۔ (۲۳)

"کیہہ بے درداں دے سنگ یاری" صوفیانہ شاعری میں ، روحانی و عشقِ حقیقی کی روداد ہے جسے ترجمہ کلام میں دیکھا جائے تو روحانیت و عشقِ حقیقی کے جذبے کا سیاق و اصل متن کا بیان ، ماند پڑ جاتا ہے اور قاری عشق کی اکہری تعبیر وضع کر لیتا ہے۔

ترجمہ کلام:

"اس سنگدل سے محبت کی کیا بات کہوں

میری آنکھیں زار زار روتی ہیں ، چھوڑ کے جانے والے

اُس ستم گر محبوب نے مجھے فراق میں مبتلا کر دیا ہے

اور میرے جسم سے جان نکال لی ہے

اُس نے یہ نہایت ظالمانہ انداز سے کیا ہے" (۲۴)

صوفیانہ کلام میں وسیع سماجی و ثقافتی ، سیاق و سباق موجود ہوتا ہے جبکہ وارداتِ قلبی صیغۂ واحد متکلم میں ہونے کے باوجود مکالماتی فضا کا تصور اُجاگر کرتی ہے۔جہاں مخصوص ثقافتی نظام ، سماجی ڈسکورس کا عکاس بھی ہوتا ہے۔ ایسی کیفیات خاص طور پر استعاراتی و علامتی شاعری میں موجود ہوتی ہے۔کسی زمانے کے مخصوص سماجی و سیاسی حالات کہ جن میں لفظوں کے پسِ پردہ مقامی تہذیب و ثقافت اور بیرونی تہذیبیں نیز یلغاریں پنہاں ہوتی ہیں۔بقول شفیع عقیل:

"ہر علاقے کا اپنا روزمرہ، اپنی ضروریات اور وہاں کے مخصوص رسم و رواج ہوتے ہیں۔ مقامی الفاظ، محاورے اور ضرب الامثال ہوتی ہیں ۔ اس کی اپنی تاریخ ، روایات اور پسِ منظر ہوتا ہے اور ان سب چیزوں کا اثر وہاں کی بولی پر پڑنا لازمی ہے"۔ (۲۵)

یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ علامتی شعری اصالتوں کی فصاحت و بلاغت کو ترجمہ متن میں منتقل کرنا مشکل ہے۔ "سید بُلھے شاہؒ" کے کلام سے پنجاب کی سیاسی صورتحال کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔ سید بُلھے شاہؒ وہ صوفی شاعر ہیں کہ جنھوں نے نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کی افواج سے پھیلتی سماجی ابتری و سراسیمگی بھی دیکھی اور نام نہاد عالموں کے پھیلائے ذہنی انتشار کو بھی شعری متون کا حصہ بنایا۔ بُلھے شاہؒ نے عصری مظالم اور اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کی ظالمانہ پالیسیوں کو اپنے پنجابی صوفی کلام میں پھر یوں پیش کیا۔

"الٹے ہور زمانے آئے

کاں لگڑنوں مارن لگے چڑیاں جرّے ڈھائے

گھوڑے چگن اروڑیاں اتے گدوں خو دپوائے

۔۔۔ بلھا! حکم حضوروں آیا تس نوں کون ہٹائے

الٹے ہور زمانے آئے

ترجمہ: اُلٹا زمانہ آ گیا ہے

کوے شکروں کو مارتے ہیں اور چڑیاں شاہین کو کھاتی ہیں

گھوڑوں کو شکست ہو رہی ہے اور گدھے ہرے گیہوں کو بالیں چرائے جا رہے ہیں

اعلیٰ اختیارات رکھنے والوں کے احکامات کو کون بدل سکتا ہے

اُلٹا زمانہ آ گیا ہے (۲۶)

سید بُلھے شاہؒ کی علامتی صوفیانہ شاعری میں غور و فکر، تدبر، خود آگہی، مشاہدۂ حق، سچائی کا پرچار جیسے عناصر بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں

"۔۔۔ حضرت بابا بُلھے شاہؒ نے جس دبنگ لہجے میں ظلم کے خلاف آواز بلند کی وہ ہماری تہذیبی ، ثقافتی اور سیاسی تاریخ کا ایک انمنٹ نقش بن گئے ۔ حضرت بابا بُلھے شاہؒ ملکی نامساعد حالات میں مردِ میدان کی طرح منافقت، ریاکاری، تعصب، خود غرضی اور ظلم

کے خلاف اپنی شاعری سے شمشیر کا کام لیا۔۔۔ ہمیشہ سچائی اور حق گوئی کی بات کی۔ اپنے گرد پھیلے ہوئے مسائل بیان کئے ۔۔۔ اپنے دور کی فرسودہ روایات پر بھرپور تنقید کی"(۲۷)

صوفیانہ شعری متن میں علامات کے استعمال کی صورت میں کلام مخصوص معانی اور مفاہیم سے ہمکنار ہوتا ہے۔ صوفیانہ کلام جہاں انسانی سماجی تاریخ تو رقم کرتا ہی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ سماج کی تشکیل اور ارتقا میں علم الانسان (Anthropology) اور علم اللسان (Philology) کے گہرے تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ ترجمہ متن میں انسانی شعور، اُس سماج کے مخصوص دور میں علم الانسان اور علم اللسان کی کامل تفہیم و تشریح کو اخذ نہیں کرپاتا۔ مزید براں ترجمہ ایک ایسی ذمہ داری و سرگرمی ہے جس میں لامحالہ طور پر کم از کم دو زبانیں، ان کا لب و لہجہ اور دو ثقافتی روایات شامل ہوتی ہیں۔ ثقافتی زمینی حقائق ، ماخذ تحریروں (Source text) کو سمجھنے اور ان کو ہدفی ثقافتوں (Target Culture) میں ترجمہ کرنے کی ذیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مزید براں ساختیاتی زاویہء نظر سے، مترجمین کے ذاتی نظریات کے اثرات اور غالب ثقافتی اقدار کے مطابق معنی کی تبدیلی کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اس سے مراد ہے مترجم کے تمام افعالِ ارادی، اخلاق، معاملات زندگی، معاشرت، تمدن، طریقہء تمدن اور متنوع فنون و ہنر کو اپنے زاویہء نگاہ سے پرکھنے کا عمل ترجمہ پر اثرانداز ہوتا ہے۔

علامتی صوفیانہ کلام ، مخصوص دور میں شہر آشوب رقم کرتے ہوئے جن محاوروں، ضرب الامثال ، مترادفات، تشبیہات و استعارات کو زیرِ استعمال لاتا ہے، اُس کے لسانی و ثقافتی پہلوؤں سے استفادہ ترجمہ زبان میں کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ماخذ متن کے الفاظ اپنے معنوں میں سماجی، علمی و ادبی اثرات رکھتے ہیں جو کہ ترجمہ متن میں ڈھل کر قدرے مختلف ہوجاتے ہیں۔

خلیل صدیقی شاعری میں علامتوں کے استعمال کی بابت یوں رقمطراز ہوتے ہیں کہ:

" اِن علامتوں کے ذریعے سے سامع کے ذہن کی رسائی معانی و مطالب تک ہوتی ہے۔ علامتوں ہی کی بدولت موضوعی و معروضی حقائق کو منظرِ عام پر لانا اور جذباتی، ذہنی اور سماجی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہوجاتا ہے۔"(۲۸)

سید بُلھے شاہؒ کا پنجابی کلام قاری کے لیے معلومات، تہذیب اور جمالیاتی حظ کا ذریعہ تو بنتا ہی ہے مگر ایسا کلام تمام انسانی سماجی جہات سے کسبِ فیض کے اہم وسیلے کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف شاعری اور بالخصوص صوفیانہ شاعری کے ترجمہ کے طریقے اصول و قواعد قطعی مختلف بھی ہیں۔ شعر کے لئے ترجمے میں احتساب کا

عمل احسن خیال کیا جاتا ہے تاکہ ترجمہ کلام میں معانی کی تاثریت سے استفادہ کے ساتھ ساتھ معروضی و موضوعی، تہذیبی و ثقافتی تناظرات میں لفظی معنویت مکمل سیاق وسباق کے ساتھ اُجاگر ہو سکے۔

کلام بُلھے شاہؒ کے ثقافتی مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسی صوفیانہ شاعری کے ذریعے ثقافت و تاریخی حقائق، روایات کے پسِ منظر کا شعور عام کرنے کے لیے اِسے مرکزی زبان میں ترجمہ کرنا بے حد اہم ہے تاکہ دیگر بولیوں کے ساتھ پنجابی صوفی شاعری کا رشتہ مضبوط اور صوفی پیغام کی عام ترسیل کا منبع بن سکے۔ مرکزی زبان میں منتقلی کی بنا پر پنجابی زبان کے مخصوص محاوروں اور ضرب الامثال کی سمجھ بوجھ تو ایک دلچسپ عمل ہے ہی، دیگر خوش آئند عمل مرکزی زبان کو سمجھنے والی بڑی تعداد ایک دوسرے کی بولیوں سے نئے نئے الفاظ اپنی زبان میں ضم کر سکے گی۔ مزید براں، بحوالہ ساختیاتی نظریہ، ادبی متون کا مشاہدہ کیا جائے تو مندرج الفاظ محض بے روح پتلے محسوس ہوں گے، اگر ان کے ساتھ خطے کی بوباس اور گروہی ثقافتی نظام مخصوص نہ کیا جائے۔

ترقی یافتہ دور میں ادبی متون کا ترجمہ اہم ضرورت ہے۔ خاص طور شعری متون کا ترجمہ کیونکہ شاعری اپنی اصالتوں میں پوری حساسیت و کامل جذبات کے ساتھ تاریخی و تہذیبی شعور جذب کرتی ہے۔ نئے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لئے ادبِ عالیہ کی زمانوی منتقلی قریب السمجھ متون میں ڈھل کر ثقافتی اظہاریوں کو مزید قابلِ فہم بنا سکتی ہے۔

حوالہ جات

1. Larson, Mildred L. 1984. Meaning- Based Translation: A Guide To Cross-Language Equivalence. Lanham, MD: University Press of America. Pp. 95-6.

2. Sapir, E. (2000). Language: An Introduction to the Study of Speech. New York: Bartleby.Com.

3. Bassnett, S., (2002). Translation Studies; 3rd (Ed.). Canada and New York, Rutledge.

4. Needham, R. (1972). Belief, Language and Experience. Chicago: Chicago University Press.

5. Boroditsky, L., (2010). Lost In Translation. University of Stanford, Www.Wsj.Com\News\Articules\Es\Sb100o1424052748k2h. [Accessed On 2-01-2014].

6. Snell-Hornby, M. (1999). Translation as Intercultural Communication. Selected Papers From The EST Congress. Current Issues in Language And Society. Jettmarová, Zuzana and Kaindl, Klaus. Global Village, 6(2): P. 103-120.

7. Burnshaw, S., Fitts, D. & Peyre, H. (1995). The Poem Itself. Arkansas: University Press.

8. Creative for Iyengar, Krishna Srinivas. 1988. "On Translating Poetry,"

۹۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، متن سیاق اور تناظر، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱٦ء، ص۳۸

۱۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، معنی اور تناظر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱٦ء، ص۱۸۷

۱۱۔ ایضاً، ص، ۳٦۲

۱۲۔ خان، خالد محمود، فن ترجمہ نگاری، لفظوں کی ثقافت کا نظریہ اور ترجمۂ کامل، بیکن بُکس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۱۵٦

۱۳۔ کلام بُلھے شاہ، پروفیسر ڈاکٹر سید نذیر احمد (مرتبہ)، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص۱۹

۱۴۔ ایضاً، ص۱۹

۱۵۔ کوہلی، سریندر سنگھ، بُلھے شاہ، مترجم: کامل قریشی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۲٦، ۲۷

۱٦۔ آل احمد سرور، پروفیسر، ترجمہ کا فن اور روایت، مرتبہ: ڈاکٹر قمر رئیس، پیس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۴۳

۱۷۔ انیس ناگی، شعری لسانیات، کتابیات، لاہور، ۱۹٦۹ء، ص۱۰

۱۸۔ کوہلی، سریندر سنگھ، بُلھے شاہ، مترجم: کامل قریشی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص۲۸-۳۰

۱۹۔ کلام بُلھے شاہ، پروفیسر ڈاکٹر سید نذیر احمد (مرتبہ)، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۷۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۶۳

۲۱۔ ایضا، ص

۲۲۔ عتیق اللہ، ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ، جلد اول A تا D، اردو مجلس، دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲

۲۳۔ کوہلی، سریندر سنگھ، بُلھے شاہ، مترجم: کامل قریشی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۷۱-۷۲

۲۴۔ شفیع عقیل، پنجابی کے پانچ قدیم شاعر، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۷۰ء، ص ۳۰

۲۵۔ کوہلی، سریندر سنگھ، بُلھے شاہ، مترجم: کامل قریشی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۴۱-۴۲

۲۶۔ ملک، خالد پرویز، پنجاب کے عظیم صوفی شعراء، علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص ۶۵

۲۷۔ خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸

References in Roman Script:

1. Larson, Mildred L. 1984. Meaning- Based Translation: A Guide To Cross-Language Equivalence. Lanham, MD: University Press of America. Pp. 95-6.
2. Sapir, E. (2000). Language: An Introduction to the Study of Speech. New York: Bartleby.Com.
3. Bassnett, S., (2002). Translation Studies; 3rd (Ed.). Canada and New York, Rutledge.
4. Needham, R. (1972). Belief, Language and Experience. Chicago: Chicago University Press.
5. Boroditsky, L., (2010). Lost In Translation. University of Stanford,Www.Wsj.Com\News\Articules\Es\Sb100o1424052748k2h. [Accessed On 2-01-2014].
6. Snell-Hornby, M. (1999). Translation As Intercultural Communication. Selected Papers From The EST Congress.

Current Issues In Language And Society. Jettmarová, Zuzana And Kaindl, Klaus. Global Village, 6(2): P. 103-120.
7. Burnshaw, S., Fitts, D. & Peyre, H. (1995). The Poem Itself. Arkansas: University Press.
8. Creative for Iyengar, Krishna Srinivas. 1988. "On Translating Poetry,"
9. Nasir Abbas Nayyer, Dr, Matan Siaq or Tanazur, Sang Meel Publications, Lahore, 2016, Page 38.
10. Wazeer Agha, Dr, Mani or Tanazur, Majlis Taraqi Adab, Lahore, 2016, Page 187
11. Ibid, Page 362
12. Khan Khalid Mehmood, Fun Tarjuma Nigari, Lafzo ki saqafat ka nazria or tarjuma kamil , becon books, Lahore, 2015, Page 156.
13. Kalam Bhuly Shah, Dr, Syed Nazir Ahmed (Murtaba) Academy Adbiat Pakistan, Islamabad, 2008, Page 19.
14. Ibid, Page 19
15. Kohli, Sarindar Singh, Bhully Shah, Mutrajam: Kamil Qureshi, Fiction House, Lahore, 2010, Page 26-27.
16. AlAhmed Sarwar, Prof, Tarjuma ka fun or riwayat, Murtaba Dr Qamar Raeed Peace Publications, Lahore, 2017, Page 43.
17. Anees Nagi, Sheri Lisaniat, Kitabiat, Lahore 1969m Page 10
18. Kohli Serendar Singh, Bhuly Shah Mutarjum: Kamil Qureshi, Fiction House, Lahore, 2010, Page 28-30
19. Kalam Bhuly Shah, Dr, Syed Nazir Ahmed (Murtaba) Academy Adbiat Pakistan, Islamabad, 2008, Page 77
20. Ibid, Page 63
21. Ibid, Page
22. Atiq Ullah, Adabi Istilihat ki wazahti farhang, jild awal A ta D, Urdu Majlis, Delhi, 1995, Page 12.
23. Kohli Serendar Singh, Bhuly Shah Mutarjum: Kamil Qureshi, Fiction House, Lahore, 2010, Page 71-72

24. Shafi Aqeel, Punjabi k panch qadim shair, anjuman taraqi Urdu, Karachi, 1970, Page 30.
25. Kohli Serendar Singh, Bhuly Shah Mutarjum: Kamil Qureshi, Fiction House, Lahore, 2010, Page 41-42
26. Malik Khalid Pervaiz, Punjab k Azeem Sufi Shura, Ilam wa Irfan Publishers, 2001, Page 65.
27. Khalid Siddiqui, Zuban kia hy, Becon Books, Multan, 1989, Page 27